میں وہ نام نہاد سیاست زدہ منتسبین دارالعلوم سدراہ نہیں بن سکتے کہ جو اپنی بے راہی اور کج فہمی کی بنیاد پر اپنی حقیر اغراض کو "سیاست" کا نام دے کر "دین" کو اس کا آلۂ کار بنانے میں کوئی شرم محسوس نہیں کرتے۔

اس بارے میں دو رائیں نہیں کہ ملتِ اسلامیہ ہندیہ نے حضرت مولانا مفتی عتیق الرحمٰن صاحب عثمانیؒ کو دینی، علمی، فکری، اجتماعی اور سیاسی دائروں میں ایک متدین و باکردار شخصیت کی حیثیت ہی سے جانا اور پہچانا، اس لیے ان کی محترم شخصیت کو خراج عقیدت پیش کرنے کا معیار بھی ان کے یہی امتیازات ہوسکتے ہیں اور مستقبل کی نسلوں کو اس باکردار و متدین ذات سے متعارف کرانے کا وسیلہ بھی ان کی یہی انمٹ خصوصیات بن سکیں گی۔

حضرت مفتی صاحب علیہ الرحمہ بیک وقت اصول و فروع پر وسیع النظر افتائی نقطۂ نظر سے احوال وقت سے باخبر، اہم علوم دینیہ کے بصیرت مند عالم ذی رائے سیاسی زعیم، نکتہ آفریں مؤثر خطیب، کامیاب مدرس، قادرالکلام ادیب، شعر و سخن میں صاحب ذوق لطیف ہونے کی علمی، فکری اور کلامی جامعیتوں کے ساتھ بلند اخلاق انسان، پیکر تواضع اور تعلقات کی متضاد قدروں کو اس خوبی اور مروت کے ساتھ نبھانے والے باوضع بزرگ تھے کہ ہر ملنے والا یہ تاثر و تیقن لے کر اٹھتا تھا کہ حضرت مفتی صاحب کا قریب ترین مخلصانہ تعلق مجھ سے زیادہ شاید کسی دوسرے سے نہیں ہے۔

حضرت مفتی صاحب علیہ الرحمۃ نے خاندان عثمانی کی ایک مثالی شخصیت کی حیثیت سے خاندان قاسمی کے ساتھ بزرگوں کے وقت سے قائم اخلاص مندانہ تعلق کی عظمت و اہمیت کو نہ صرف زندگی بھر حسن و خوبی سے نبھایا ہی ہے، بلکہ ہر دو خانوادوں کے نوعمروں کے دلوں میں اس تعلق کے قیام

وبقا کے لیے اُن کی بے تکلف و پُرشفقت تعبیرات قرب و قوت کا کامیاب ذریعہ بنتی رہتی تھیں۔

راقم الحروف کے لیے حضرت مفتی صاحبؒ کی شخصیت سے محبت و اخلاص آمیز وابستگی کی حقیقی بنیاد تو خاندان قاسمی اور خاندان عثمانی کا وہ تاریخی ارتباط ہی تھا کہ جو فیاض قدرت نے محسن ملت حجۃ اللہ فی الارض شیخ الاسلام حضرت الامام مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی قدس سرہ العزیز بانیٔ دارالعلوم دیوبند کو حضرت المخدوم المعظم مولانا فضل الرحمٰن صاحب عثمانی نوراللہ مرقدہٗ کے مخلصانہ تعاون و تعلق کی صورت میں عطا فرما کر قائم فرمایا تھا۔ پھر مشیت ربانی نے اگلی نسل میں شیخ الاسلام حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحب سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند اور حضرت اقدس مولانا حبیب الرحمٰن صاحب عثمانی نائب مہتمم دارالعلوم دیوبند کے مابین ایمانی رشتۂ مواخات قائم فرما کر اس تعلق کی تجدید فرمائی۔

فکر قاسمی کے مظہر جمیل دارالعلوم دیوبند اور علمی تبحر اور عارفانہ بصیرت کے ساتھ اس قاسمی فکر کا قابل اعتماد شعور صحیح، قرار واقعی تحمل اور اس کے لیے مخلصانہ جذبۂ ارتقاء و تحفظ رکھنے والی شخصیات میں شیخ الاسلام حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحب، حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی، حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب عثمانی، شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ حکیم الاسلام حضرت مولانا محمد طیب صاحب سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند، شیخ الاسلام حضرت مولانا سید محمد انور شاہ صاحب کشمیری، جامع معقول و منقول غزالیٔ دوراں حضرت علامہ مولانا محمد ابراہیم صاحب بلیاوی، حضرت مولانا بدر عالم صاحب مہاجر مدینہ، حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی اور مفکر ملت حضرت مولانا مفتی عتیق الرحمٰن صاحب عثمانی رحمہم اللہ کے اسماء گرامی بلا خوف تردید

پیش کیے جاسکتے ہیں۔

حکیم الاسلام حضرت مولانا محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے زریں دور اہتمام میں یہ متفق علیہ حقیقت کبھی دورایوں کا ہدف نہیں بنی کہ دارالعلوم دیوبند کے علمی، دینی اور اجتماعی موقف کو گردوپیش میں پھیلے ہوئے خود غرضانہ سیاسی ماحول میں حکمت و تدبر سے محفوظ رکھنے میں حضرت مولانا مفتی عتیق الرحمٰن صاحب کا کردار دارالعلوم کی تاریخ کا ایک ناقابل فراموش کردار ہے، حضرت بانیٔ دارالعلوم کے الہامی اصول ہشتگانہ کی روشنی میں انھوں نے "مجلس شوریٰ" میں تمام مسائل کو متفق علیہ طور پر طے کرنے کی بزرگانہ روایت کو جس محنت و کاوش اور جس مشقت و کوشش سے برقرار رکھنے کی صبر آزما اور مخلصانہ جدوجہد فرمائی، اسی کا نتیجہ تھا کہ مجلس کے صحیح الفکر ارکان کی پوری کوشش یہ ہوتی کہ شوریٰ کی صدارت مفتی صاحب ہی فرمائیں، اور سیاسی غرض مندیوں کے باوجود مخالفین کو بھی مجلس شوریٰ میں بہ تسلسل ان کی تائید صدارت کی صورت میں اس کا اقرار و اعتراف کرنا پڑتا تھا۔

حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ کی رسمی اور ظاہری تقدس نمائی سے گریز کے ساتھ زندگی کی سادگی کو دیکھنے والوں میں کم ہی لوگ اس حقیقت سے آشنا ہوں گے کہ حضرت مفتی صاحب اپنے اکابر کے علمی اور عرفانی امتیازات کے سچے عشاق میں سے تھے اور جماعت کے جس فرد میں اکابر میں سے کسی بزرگ کے امتیاز کی اگر جھلک محسوس فرماتے تو اس کی قدردانی اور عزت و احترام میں یہ فرق روا نہیں رکھتے تھے کہ وہ علم و عمر میں ان سے چھوٹا ہے یا بڑا ہے، غالباً یہ ہی وجہ تھی کہ حکیم الاسلام حضرت مولانا محمد طیب صاحب کی ذات گرامی میں کہ جن کو حق تعالیٰ نے حضرت بانیٔ دارالعلوم کی نسبی نسبت کے ساتھ ان کی علمی عظمت اور

فکری رفعت سے بھی حصہ وافر عطا فرمایا تھا اور اس کے ساتھ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی کے عارفانہ تقدس، حضرت اقدس مولانا حافظ محمد احمد صاحب کے علمی تبحر، حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب عثمانی کے مثالی تدبر، حضرت مولانا سید محمد انور شاہ صاحب کے علمی تحفظ، حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی کے حقائق آفریں خطاب و تکلم، اور عارف باللہ حضرت مولانا سید اصغر حسین صاحب کے متواضعانہ تحمل کی صفات کو بھی جمع فرما دیا تھا۔ تقریباً ہم عمری کے باوجود حضرت **مفتی** صاحب علیہ الرحمہ کو حضرت حکیم الاسلام سے جو غیر معمولی تعلق زندگی بھر رہا ہے، اُس پر ان کا یہ جملہ ہمیشہ ایک تاریخی اہمیت کا حامل رہے گا کہ

"میں مرجاؤں گا تب بھی میری خاک کے ذرے ذرے سے
طیب، طیب ہی کی صدا سنائی دے گی"

غالباً ۱۹۳۸ء میں حضرت **مفتی** صاحب علیہ الرحمہ نے اپنے مخلص اہل قلم رفقاء مجاہد ملت مولانا حفظ الرحمٰن صاحب، مفکر جلیل مولانا حامد الانصاری صاحب غازی، مولانا سعید احمد صاحب اکبر آبادی وغیرہ کے علمی اور تصنیفی تعاون سے **ندوۃ المصنفین** کے نام سے اس ادارہ کی تاسیس فرمائی کہ جو آج ملک و بیرون ملک میں مسلمانان ہند کی عزتوں میں اضافہ کا موجب بن رہا ہے، اس کے قیام کے لیے حضرت **مفتی** صاحب نے اپنی فکری اور ذوقی بلندی کے تحت قرول باغ میں فیض روڈ پر ایک شاندار کوٹھی کرائے پر حاصل کی، جو بہت مختصر وقت میں دہلی میں خاص طور پر، اہل علم و فکر کا مرجع بن گئی، ساتھ ہی ماہنامہ **برہان** کا اجرا بھی فرمایا۔ ۱۹۴۰ء میں راقم الحروف کو حضرت **مفتی** صاحب کی بزرگانہ شفقتوں سے زمانۂ طالب علمی میں بہرہ مند ہونے کا موقعہ میسر آیا۔ جس کا سبب ظاہری یہ بنا کہ ۱۹۴۰ء میں حضرت مولانا محمد سلیم صاحب رحمہ اللہ

ناظم مدرسہ صولتیہ مکہ معظمہ نے ندوۃ المصنفین کے قریب ہی ایک دوسری کوٹھی "فردوس منزل" میں مدرسۂ صولتیہ کا دفتر قائم فرمایا، اور اس سے "ندائے حرم" ماہنامہ کا اجراء فرمایا اور راقم الحروف کو حضرت والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ سے اجازت لے کر حضرت مولانا محمد سلیم صاحب نے خصوصی طور پر ابتدائی عربی تعلیم کے لیئے اپنے پاس دہلی بلالیا۔ تقریباً ایک سال فردوس منزل میں حضرت مولانا کے یہاں احقر مقیم رہا، اس قیام کے دوران تقریباً روزانہ ہی احقر کی ندوۃ المصنفین میں حضرت مفتی صاحب کے ہاں حاضری ہوتی تھی اور حضرت مفتی صاحب اور حضرت مولانا محمد سلیم صاحب کی محترم شخصیات اور دونوں اداروں کی عظمت وافادیت، مشاہیر علماء، زعماء، ادباء اور شعراء کی تمام تر توجہات کو اپنی جانب منعطف کرنے کا کامیاب ذریعہ اور تعارف وملاقات کا مغتنم وسیلہ ہی نہیں بنی، بلکہ اس کو اگر دہلی کی لٹی ہوئی عظمتِ رفتہ کی جھلک دکھلانے کے عنوان سے بھی یاد کیا جائے تو شاید مبالغہ نہیں سمجھا جائے گا۔

حضرت مفتی صاحب سے فکری اور حضرت مولانا محمد سلیم صاحب سے علمی استفادہ کے اس دور میں جہاں مختلف مشاہیر علماء سے ملاقاتوں کے مواقع ملے، وہیں حضرت مفتی صاحب کی اس امتیازی اور غیر معمولی قابل ذکر خصوصیت سے بھی بہرہ مند ہونے کا خوش بختانہ موقعہ میسر آیا کہ مفتی صاحب اپنے چھوٹوں سے ازراہِ شفقت دوستانہ انداز اختیار فرماکر ان کو اتنا بے تکلف بنالیتے تھے کہ وہ اپنے حل طلب مسائل کو بے جھجک ان کے سامنے پیش کرکے ان کے مشوروں سے مستفید، اور ان پر عمل کرکے مطمئن ہوتے تھے۔ راقم الحروف کے بارے میں حضرت

مفتی صاحب کو جب یہ اندازہ ہوگیا کہ میں بڑوں کی مجالس میں بیٹھنے کا شوق رکھتا ہوں لیکن ادباً کچھ پوچھنے یا بات کرنے میں جھجک محسوس کرتا ہوں تو مفتی صاحب نے ہر اتوار کو بغرض تفریح جانے والے اپنے بے تکلف احباب میں باصرار مجھے بھی شامل فرمالیا۔ کبھی انڈیا گیٹ کبھی قطب صاحب کبھی جنتر منتر اور کبھی نظام الدین جاکر یہ باعلم وخوش طبع مجمع احباب حضرت مفتی صاحب مولانا حفظ الرحمٰن صاحب، مولانا حامد الانصاری غازی صاحب، مولانا سعید احمد اکبر آبادی صاحب، سید حسن شیرازی صاحب، محمد سعید جوہری اور راقم الحروف پر مشتمل ہوتا تھا۔ ہر فرد اپنے طور پر کوئی کھانا اپنے گھر سے تیار کرا کے لاتا تھا۔ مفتی صاحب ان احباب میں مرغ پکانے میں ممتاز قرار دیے جاتے تھے اور اس موقعہ پر مفتی صاحب اس کا بطور خاص سب کے اصرار پر اہتمام فرماتے تھے۔ مذکورہ مقامات پر پہنچ کر مزاح و سنجیدگی کی بہم آمیزی کے ساتھ جو دل کش محفل جمتی تھی، تو بسا اوقات وہاں بیٹھنے والے دوسرے اہل ذوق بھی اپنی تفریحات چھوڑ کر اسی محفل میں شریک ہوجایا کرتے تھے۔ مجلس کا اختتام کھانے پر ہوتا اور اس کے بعد رات کو گیارہ بارہ بجے تک سعید جوہری صاحب اپنی گاڑی سے سب کو گھروں تک پہنچانے کے ذمہ دار ہوتے تھے۔

اس شفقت آمیز بے تکلفی کے تحت کبھی مفتی صاحب احقر کو مطالعہ کے لیے خود کوئی کتاب منتخب فرما کر دیتے اور کبھی کبھی کتابت شدہ کاپیوں کی تصحیح میں بھی احقر کو اپنے رفقاء میں شامل فرماتے۔

ادبی خوش مذاقی مفتی صاحب کا خاندانی ورثہ تھا، خود شعر نہیں کہتے تھے لیکن مختلف ومنتخب شعراء کے چیدہ اشعار کا وافر ذخیرہ

ان کے ذہن میں محفوظ تھا۔ اس دور میں شاید ہی ان کی کوئی گفتگو ایسی ہوتی ہو کہ جس میں مفتی صاحب برجستہ اشعار پڑھ کر اور اپنی گفتگو کو انتہائی موثر و دل کش بنا کر اہل محفل کو پھڑکا نہ دیتے ہوں۔ عربک کالج اجمیری گیٹ دہلی کے پرنسپل جناب خورشید احمد صاحب تھے جو کالج کی تعلیمی اور انتظامی ذمہ داریوں میں اپنے سلجھے ہوئے پاکیزہ ادبی ذوق کی تشنگی مفتی صاحب کی محفل میں شریک ہو کر ہی بجھایا کرتے تھے۔ کالج میں پیش آمدہ حوادث و واقعات پر مفتی صاحب کے مشوروں کی صحت پر اپنے یقین کا اظہار یہ فرما کر کیا کرتے تھے کہ مفتی صاحب سے مشورہ کے بعد مجھے پھر کچھ سوچنے کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ ایک موقعہ پر خورشید صاحب کالج کے کسی واقعے کی وجہ سے پریشان ہو کر مفتی صاحب کے پاس آئے اور آتے ہی انھوں نے گفتگو کا آغاز کالج کی پرنسپل شپ سے استعفا دینے کے ارادہ سے کیا۔ واقعہ کی تفصیل معلوم کر کے مفتی صاحب نے نہ صرف مسئلہ کو حل کر دینے والے مشورے ہی دیے بلکہ اداری زندگی پر پیش آنے والے اس قسم کے صبر آزما حوادث کے تحمل و برداشت پر بڑی موثر تقریر بھی فرمائی، جس میں اپنی اجتماعی زندگی کے تلخ حوادث پر صبر و تحمل کے نتیجے میں ان کی خوش انجامی کے تذکروں سے خورشید صاحب کو مطمئن کر کے ان کے حوصلے کو بھی بڑھایا اور اس گفتگو کا اختتام اس شعر پر فرمایا ؎

اے شمع تجھ پہ رات یہ بھاری ہے جس طرح
ہم نے تمام عمر گزاری ہے اس طرح

اس شعر کو سن کر خورشید صاحب پھڑک اٹھے اور اظہار کیا کہ مفتی صاحب کے اس منظوم و منثور کلام نے مجھے واقعتاً نیا حوصلہ بخش دیا۔

حضرت مفتی صاحب عصرِ رواں کے علمی، فکری، صنعتی اور معاشرتی جدید تقاضوں کی رعایت کے ملحوظ رکھنے کو تبلیغ دین کا بنیادی عنصر قرار دیا کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ:

"دین اسلام ایک دائمی اور عالمگیر دین ہے، جس میں ہر دور کے اور ہر قسم کے تغیرات اور تقاضوں کو انگیز کرنے کی لچک اور بھرپور صلاحیت موجود ہے لیکن ان تقاضوں سے صرف نظر کرکے دین کی دعوت پیش کرنے والے نئے اذہان کو اس خطرناک غلط فہمی کا شکار بنا دیتے ہیں کہ "اسلام" آج کے مادی اور سائنسی ارتقاء کا ساتھ دینے کی صلاحیت نہیں رکھتا اور پھر طرفہ تماشا یہ کہ ایسے محدود مفکر مبلغین، دین کے بارے میں بدگمانی کا باعث تو خود بنتے ہیں لیکن اپنی کوتاہی فکر کے بجائے، اس کا مجرم نئے ذہن ہی کو قرار دیتے ہیں۔"

اسی طرح ماہنامہ برہان کے لیے ایک معروف عالم کا طویل مقالہ موصول ہوا، جس میں آمین بالجہر اور آمین بالسر، فاتحہ خلف الامام اور درود ابراہیمی میں کاف تشبیہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں پیدا ہونے والے ابہام افضلیت پر طویل ترین بحثیں کی گئی تھیں اسے ملاحظہ کرنے کے بعد حضرت مفتی صاحب نے فرمایا کہ:

"لوگ درسی مباحث کو صحافت کے ذریعہ عوام کے سامنے لاکر دادِ علم وصول کرنے کے عادی بن گئے ہیں جب کہ اس قسم کے مباحث کو دیکھ کر عام لوگ جو اپنی معاشی، معاشرتی، اقتصادی اور سیاسی الجھنوں کے شرعی حل کے آرزومند ہوتے ہیں، یہ سمجھنے پر مجبور ہوجاتے ہیں کہ دین کچھ محدود طاعات وعبادات ہی کا نام ہے زندگی کے نت نئے احوال ومسائل سے دین کا کوئی تعلق نہیں ہے۔"

ایک گفتگو کے دوران بڑے تاثر سے فرمایا۔

"افراد و آحاد کے استثناء کے ساتھ اہل علم و دین کا عمومی معاشرہ ایسا بن گیا ہے کہ زندگی کی ان نئی قدروں پر دینی نقطۂ نظر سے دعوت فکر دینا بھی بے دینی میں شمار ہونے لگا ہے لیکن ہمیں تو یہ طرز فکر اور طریق تربیت، عالمگیر دین اسلام کے ساتھ قرار واقعی انصاف پر مبنی محسوس نہیں ہوتا۔

اس ارتقائی فکر کی حامل شخصیات اپنے وقت میں کم پہچانی جاتی ہیں لیکن اب ان کے اٹھنے کے بعد عصر رواں کی مادی ارتقاء کی تیز رفتاری نے۔ ان افکار و آراء کو فکری حدود سے نکال کر مشاہداتی حدود میں داخل کر دیا ہے اور وسیع الفکر اہل علم ان اقوال کی قدر و قیمت میں روز افزوں اضافہ محسوس کر رہے ہیں اور ہمیشہ کرتے رہیں گے۔"

خلاصہ کلام یہ کہ سیاسی فکر و عمل میں اعتدال، دین کے تفوق و برتری کا ہر مرحلے پر خیال اور بلا امتیاز ہر خواہش مند کی فکری اور عملی امداد کی ہر دائرہ حیات اور ہر طبقہ کے افراد پر محیط گوناگوں خصوصیات و امتیازات کی وجہ سے حضرت مولانا مفتی عتیق الرحمٰن صاحب عثمانی رحمۃ اللہ علیہ واقعتاً اپنی ذات میں ایک انجمن تھے، اس لیے حضرت مفتی صاحب کی متدین سیاسی شخصیت کے اٹھ جانے سے، حق پسند اور حقیقت شناس مسلم اجتماعی اور سیاسی حلقے، وقت کے گزرنے کو، اس زخم کے اندمال کا سبب بننے کے بجائے اس حقیقت کے اعتراف کے ساتھ اضافے کا باعث بنتا ہوا محسوس کر رہے ہیں کہ ؎

مدت کے بعد ہوتے ہیں پیدا کہیں وہ لوگ
مٹتے نہیں ہیں دہر سے جن کے نشاں کبھی